معرکۂ کربلا کی شخصیتوں کا انتخاب

خطیب انقلاب مولانا سید حسن ظفر نقوی، کراچی

واقعہ کربلا محرم ۶۱ھ میں رونما ہوا۔ آج صدیاں گزرنے کے باوجود بھی سانحہ کربلا کے بے شمار پہلو سامنے آچکے ہیں اور تحقیق کا ہر باب چند نئے ابواب کے کھلنے کا سبب بن رہا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ معترضین اور شکاکین کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی اب تک جاری ہے۔ مگر یہ بھی ایک تاریخی سچائی ہے کہ تاریخ بشریت میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس پر واقعہ کربلا سے زیادہ تالیف وتصنیف کا کام ہوا ہو۔ اور کوئی شخصیت ایسی نہیں جس پر جناب سید الشہداؑ اور ان کے انصار سے زیادہ لکھا گیا ہو۔ چاہے نثر کا میدان ہو یا نظم کا کسی ایک شخصیت اور ایک واقعہ پر اتنا تاریخی اور ادبی مواد موجود نہیں جتنا واقعہ کربلا اور امام حسینؑ پر موجود ہے۔

ہر دور میں مورخین اور محققین سانحہ کربلا کے نئے نئے پہلو سامنے لائے ہیں اور لاتے رہیں گے۔ اور اسی طرح معترضین کے اعتراضات کا سلسلہ بھی بند ہونے والا نہیں۔

ایک اعتراض جو تسلسل سے کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر جناب سید الشہداؑ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ کربلا میں شہید کردیئے جائیں گے تو پھر وہ اپنے ساتھ خانوادہ خاص طور پر خواتین اور بچوں کو کیوں لے کر آئے تھے؟ ہم مختلف مقامات پر اپنے مختلف مقالات میں اس سوال کا جواب تفصیل سے دیتے ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔ مگر اجمالاً عرض کئے دیتے ہیں کہ جناب سید الشہداؑ نے پوری حکمت عملی کے ساتھ کربلا کے لئے شخصیات کا انتخاب کیا تھا۔ اگر آپ نے جناب محمد حنفیہ کو اور جناب عبداللہ ابن جعفر طیار کو مدینے میں رہ جانے کا حکم دیا تھا تو اس میں بھی مستقبل کا لائحہ عمل پوشیدہ تھا اور اگر شیر خوار علی اصغر اور جناب سکینہ جیسے کمسن بچوں کو ساتھ لائے تھے تو اس میں بھی حکمت امامت کارفرما نظر آتی ہے کیونکہ اگر یہ بچے اور خواتین ساتھ نہ ہوتیں، یہ واقعہ محض ایک جنگ کے طور پر سامنے آتا۔ لیکن بچوں اور خواتین پر ہونے والے مظالم نے یزیدیت کی فکر کو پوری طرح آشکار کردیا اور آج تک درباری مورخین اور وقائع نگار بھی اس باب میں یزید اور اس کے عمّال کی صفائی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اس ضمن میں ہم ایک اور مختصراً دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ ان معترضین کو اس طرف بھی تو سوچنا چاہئے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امام حسینؑ جب سے مکہ سے عازم عراق ہوئے تھے مسلسل اپنے ساتھ آنے والوں کو پیش آنے والے حالات سے آگاہ کررہے تھے اور انھیں واپس جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن کربلا پہنچنے سے پہلے جناب زہیر بن قین کو اپنی نصرت کی دعوت دی، کربلا پہنچ کر جناب حبیب ابن مظاہر کو خط لکھ کر بلایا اور شب عاشور حُر کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھا۔

بہرحال جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا کہ ان مسائل پر میں مختلف مقالات میں تفصیلاً ذکر کرچکا ہوں۔ اب ہم آتے ہیں ایک اور پہلو سے کربلا میں موجود ایک اور شخصیت پر گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور اس آفاقی ہستی کا ذکر کرنے سے پہلے انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ شخصیت واقعہ کربلا میں جناب سید الشہداؑ کے بعد ایک مرکزی کردار کی حامل ہے۔ یعنی علمدار

حسینی، فاتحِ فرات اور سقائے حرم جناب عباسؑ ابن علیؑ۔

جب بھی جہاں بھی جناب عباسؑ کا ذکر آتا ہے تو سب سے پہلے جو تصور آتا ہے وہ ایک انتہائی جذباتی جلد غیض میں آجانے والے اور شجاعت تو بہرحال ذکر ہی کیا۔ خاص طور پر مجالس اور محافل میں محبت اور مودّۃ کے تقاضوں کے پیش نظر بعض اوقات ایسا بیان بھی سامنے آجاتا ہے جس سے نادان دوستی کا اظہار بھی ہونے لگتا ہے۔ موقع ملا تو اس کی مثال آنے والی سطور میں پیش کر دیں گے۔

جیسا کہ جناب عباسؑ کی حیات طیبہ کے بارے میں ایک واقعہ تسلسل کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے اور اس واقعہ کی سچائی پر آج تک کسی نے زبانِ اعتراض نہیں کھولی۔ وہ آپ کی ولادتِ باسعادت کا ذکر ہے جس میں مولائے متقیان علیؑ ابن ابی طالبؑ کے جناب فاطمہؑ کلاّ بیہ یعنی جناب اُم البنین سے عقد کی تفصیل ہے۔ تو یہ بات تو طے ہے کہ جناب عباسؑ اپنے دیگر بھائیوں میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں اور زمانۂ شیر خوارگی ہی سے آپ کی والدۂ ماجدہ جناب اُم البنین نے آپ کی تربیت پر خاص توجہ دی اور مسلسل آپؑ کو واقعہ کربلا کے لئے تیار کرتی رہیں۔ اور یہ بات پوری طرح کمسن عباسؑ کے دل و دماغ میں بٹھا دی کہ وہ اولادِ فاطمہؑ کے ادنیٰ سے خدمت گزار ہیں۔

دوسری طرف علیؑ جیسا بابا عباسؑ کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ مولائے کائنات نے اپنے بیٹے عباسؑ کو صرف فنونِ حرب ہی نہیں سکھائے تھے بلکہ بابِ مدینۃ العلم سے براہِ راست کسبِ فیض کرنے والے عباسؑ کی علمی شخصیت بھی اس بات کی آئینہ دار تھی کہ آپ آغوشِ علیؑ سے فیض یافتہ ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ آغوشِ حیدر کے پروردہ عباسؑ اس بات سے کسی بھی دوسرے فرد سے زیادہ آگاہ ہیں کہ مقامِ امامت کیا ہے؟ جناب عباسؑ جانتے ہیں کہ جناب حسنین علیہما السلام اور جناب زینبِ کبریٰ اور جناب اُم کلثوم اولادِ فاطمہ ہیں جن کا احترام خود مولائے کائنات کرتے ہیں جب کہ خود جناب عباسؑ اس ماں کے بیٹے ہیں جو اپنے آپ کو کنیز زہراؑ کہلانا پسند کرتی ہے۔ اب بھلا ہم یہ بات کیسے تسلیم کر لیں کہ کربلا میں جب لشکر عمر سعد کے سپاہی خیام حسینیؑ کو فرات کے ساحل سے ہٹانے کے لئے آگے بڑھے اور جناب عباسؑ نے اپنی شمشیر سے ایک خط کھینچ دیا تھا اور کسی کو اس خط سے آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ اس کے بعد کچھ نادان دوست جوشِ خطابت میں ایک ناجائز اضافہ کر دیتے ہیں کہ جب جناب سیدالشہداؑء نے جناب عباسؑ کو خیمے ہٹانے کا حکم دیا تو آپ نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور جناب امام حسینؑ کو خیمہ میں یہ پیغام بھجوانا پڑا کہ زینب ''شیر کو جلال آگیا ہے اسے جنگ کرنے سے روکو'' اس پر جناب زینبؑ نے جناب فضہ کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ ''عباسؑ تلوار نیام میں رکھ لو ورنہ زینبؑ خیمے سے باہر آجائے گی''۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مذکورہ بالا اضافی جملے صرف چند افراد ہی ادا کرتے ہیں باقی ذمہ دار ذاکرین اور خطباء ہر قدم پر احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اب آپ خود ہی غور کیجئے ایک طرف ہم جناب عباسؑ کو عملی زندگی میں حسینؑ کا غلام پاتے ہیں، آپ کی زیارت میں آپ کو عبد صالح، مولاؑ کا اطاعت گزار اور جانثار جانتے ہیں دوسری طرف آپ کی شخصیت کو ایک ایسے غصہ ور شخص کی طرح پیش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ جب اسے غصہ آجائے تو وہ اپنے امام کا حکم بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ معاذ اللہ

بس اسی کو ہم نے نادان دوستی کا نام دیا ہے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کربلا میں جناب عباسؑ کا کردار نہ ہوتا تو قیامت تک نہ تو وفا کا مفہوم سمجھ میں آتا نہ ہی اطاعتِ امام کی حقیقت معلوم ہوتی اور نہ ہی علمداری کی اہمیت اُجاگر ہوتی۔ کربلا میں خواتین میں جناب زینبؑ اور مردوں میں جناب عباسؑ کا کردار سب سے جدا ہے۔ آپ نے علمداری کے لقب کو معراج عطا کر دی آپ نے کربلا میں یہ بھی سکھایا کہ علم اُٹھانا کمال نہیں ہے بلکہ اُسے بچانے کی خاطر بازو کٹوا دینا کمال ہے۔ واقعہ کربلا سے

بقیہ۔۔۔۔۔۔صفحہ ۸۵ پر

(۲۴۷)

یہ کہہ کے ڈیوڑھی کی جانب چلا وہ ماہ لقا
کہا قضا نے کہ یہ بھی کسی کا ہے جگرا
یہ عزم ہے یہ ارادہ یہ ہمت والا
سوا علیؑ کے گھرانے کے ہے یہ دل کس کا
دلہن کو کون سی حالت میں نامراد کیا
یہ تھا جہاد اسے کہتے ہیں جہاد کیا

(۲۴۸)

سلام کے لئے جب ہاتھ بھی شتاب اٹھا
جگر میں ماں کے غضب دردِ اضطراب اٹھا
غرض کہ ہر قدم شوق سوئے باب اٹھا
ورق الٹ گیا اس گھر کا یا حجاب اٹھا
کہا یہ خیمے نے ہر قلب کا سرور یہ تھا
جو میری چشم کے پردے میں تھا وہ نور یہ تھا

(۲۴۹)

ہوئے نکل کے جو خیمے سے حاضر حضرت
کہا کہ آپ کے اقبال سے ملی رخصت
جو حکم ہو تو غلام اب ہو راہیٔ جنت
کہا یہ آپ نے بہتر، جو خواہش قسمت
بہر طریق ہوا وہ جو ہونے والا تھا
اس لئے تو تمہیں گودیوں میں پالا تھا

بقیہ۔۔۔۔شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن

وہ روشنی دے دی جسے لاکھوں یزید مل کر بھی اب کبھی نہیں بجھا سکتے اور اپنے خون سے انسانیت کی لوحِ شعور پر تحریر کر گئے کہ سچے مومن کا مطلوب ومقصود مادّی سلطنت واقتدار نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کا مطلوب ومقصود راہِ خدا میں قربانی اور شہادت کی لازوال عزت کا حصول ہوتا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔ (سورہ الشعراء: ۲۲۷)

❁❁❁

بقیہ۔۔۔۔معرکۂ کربلا کی شخصیتوں کا انتخاب

منسوب جتنی بھی نشانیاں ہیں مثلاً گہوارہ، تابوت، ذوالجناح اور خاص طور پر یہ سب نشانیاں اپنے اندر شجاعت کی داستانیں لئے ہوئے ہیں۔ جناب عباسؑ کے علم کی شبیہ اٹھانے والا بہت سوچ سمجھ کر یہ علم اٹھائے یہ کوئی رسمی کاروائی نہیں ہے بلکہ یہ علم اٹھانا اس بات کا اعلان ہے کہ دین کے پرچم کی سربلندی کے لئے جب تک بازو سلامت ہیں اور جسم میں طاقت ہے یزیدیت کے مقابلے میں ڈٹے رہنا ہے۔

خدانخواستہ، خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ جب آزمائش کا میدان آئے تو۔۔۔۔۔۔

❁❁❁